e-Contents

Presented by Dr. Zarnigar Yasmeen,

Maulana Mazharul Haque Arabic & Persian University,

Patna

Email:zarnigaryasmeen@gmail.com

کلیم عاجز بحیثیت شاعر

تعارف:

دبستان بہار کی اپنی امتیازی خصوصیات ہیں۔ گرچہ یہ دبستان دہلی کے مقابلے میں نیا ہے مگر راسخ عظیم آبادی، مشہور زمانہ شاعر میر تقی میر کے ہم عصر تھے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال راسخ اور شاد عظیم آبادی کے بعد بہار کے جس غزل گو شاعر کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ کلیم عاجز ہیں۔ ان کے بارے میں کئی جہتوں سے باتیں کی گئی ہیں۔ ان کو ایک خاص عہد کا ترجمان کیا گیا ہے۔ ان کو آپ بیتی کا شاعر کہا گیا ہے اور جگ بیتی کا ترجمان بھی۔ میر کے ساتھ ان کی مشابہت پر بھی زور دیا گیا ہے اور ان کے منفرد طرز اظہار یا اسلوب پر بھی باتیں ہوئی ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ شاعری کی حد تک انہوں نے صرف غزلیں نہیں لکھیں بلکہ نظمیں بھی کہیں ہیں۔ نثر نگاری بھی انہوں نے ایک خاص انداز سے کی ہے۔ بہر حال ان کی اصل پہچان ایک غزل گو شاعر کی ہے جو دبستان عظیم آباد کی اپنے منفرد رنگ سخن کے ساتھ نمائندگی کرتا ہے۔ اس لیے ان کی غزل گوئی کی تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

غزل گوئی کے امتیازات:

کلیم عاجز کا مشہور شعر ہے کہ

وہ جو شاعری کا سبب ہوا وہ معاملہ بھی عجب ہوا
میں غزل سناؤں ہوں اس لیے کہ زمانہ اس کو بھلا نہ دے

ظاہر ہے کہ اس شعر کی روشنی میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان کی شاعری کے اسباب کیا رہے ہیں۔ عام طور پر اس سلسلے میں ۱۹۴۶-۴۷ء میں ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ بہار کے فرقہ وارانہ فسادات میں ان کی والدہ کے علاوہ کم و بیش دو درجن اہل خاندان کی شہادت، اس درد و غم کے دیرپا اثرات، پھر آبائی وطن سے الگ ہو کر کلیم عاجز کی در بدری وغیرہ کا اس حوالے سے تذکرہ

لیا جاتا ہے۔خود کلیم عاجز کے بیانات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان واقعات کو بھلانا نہیں چاہتے۔مگر ان کے اکثر ناقدوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ صرف ان ہی واقعات کا تذکرہ کلیم عاجز کا امتیاز نہیں ہے بلکہ اگر صرف اس انداز کی تکرار ہوتی تو ان کی غزلوں کو وہ عظمت اور مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلسل درد وغم کی کیفیتوں سے آشنا رہتے اور ایسا ہی ہوا۔انہوں نے اپنے ذاتی غم اور تجربات کو اپنے پورے عہد بلکہ کئی نسلوں کے درد وغم سے ہم آمیز کر کے اپنی غزلوں میں جگہ دی۔یہی ان کی غزل گوئی کا پہلا امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی غموں اور تجربوں کو عمومی تجربہ بنا دیا ہے۔

اسی سے وابستہ ان کی غزل گوئی میں درد وغم کی وہ شدید کیفیت ہے جو انہیں صرف میر کے ہی نہیں، فانی یا ناصر کاظمی جیسے اس قبیل کے دوسرے شاعروں کے بھی قریب لے جاتی ہے۔درد وغم کی یہ دولت صرف آبائی وطن تیلہاڑا کی بربادی سے ہاتھ نہیں آئی ہے بلکہ زمانے کے مسلسل مشاہدے سے حاصل ہوئی ہے۔

اب دیکھئے کہ فیض نے کہا تھا ع اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

اور کلیم عاجز کہتے ہیں ع ہم لوگ غم عشق کے منکر تو نہیں پر اس غم کے علاوہ بھی تو آزار بہت ہیں

یہ جو غم عشق کے علاوہ دوسرے غموں کی بات ہے یہی کلیم عاجز کے وسیع اور مسلسل مطالعے اور مشاہدے کی دلیل ہے۔اس سلسلے میں کلیم عاجز کی ایک اور انفرادیت کا تذکرہ ضروری ہے۔انہوں نے اپنے کئی اشعار میں اس نکتے پر زور دیا ہے کہ ع سلگنا اور شئے ہے جل کے مر جانے سے کیا ہوگا

ایک اور خوبصورت مطلع ملاحظہ ہو

بجھنے کا خیال آتا ہی نہیں روشن جو ہوئے اک شام سے ہم
تکلیف سلگنے ہی تک تھی جلتے ہیں بہت آرام سے ہم

میرا کہنا یہ ہے کہ سلگتے رہنے کی یہ کیفیت بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ سلگنے والا مسلسل درد وغم کے نئے پہلوؤں سے آشنا ہو رہا ہے۔یہ صرف غم عشق نہیں غم زمانہ ہے۔غور کیجئے کہ درج ذیل اشعار میں صرف دل کے لٹنے یا محبت میں ناکامی کا غم نہیں ہے بلکہ زمانے کے بہت سارے غم ہیں جن کی نوعیت الگ الگ ہے

ملتے ہیں سب کسی نہ کسی مدعا کے ساتھ ارمان ہی رہا کہ کوئی بے سبب ملے
زمانہ سنگ سہی آئینے کی خو رکھیے جو دل میں رکھئے وہی سب کے روبرو رکھئے
ستم ہے کہ میرے اچھالے ہوئے مجھی کو برا کہنے والے ہوئے
دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

(جاری..........)

—ڈاکٹر زرنگار یاسمین